Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ناول ’’خس وخاشاک زمانے‘‘ کے مرکزی کرداروں کا نفسیاتی مطالعہ

جہانزیب حیات
ایم۔فل اُردو، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر رابعہ سرفراز
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

.

Abstract:
Mustansar Hussain Tarar is a renowned fiction writer of this era. He is known for his novels and travelogues. ‘‘Khas-o-Khashak Zmanay’’ is one of his famous novels that was written in 2010. This novel is inspired by ‘‘Mantaq-ut-Tayr’’, which is a Persian poem written by Farid-ud-Din Attar. This article has done the psychological analysis of the main characters of this novel, so that their psychological issues and other diseases could be highlighted. The aim of this article is to make the students of Urdu Literature understand the psychological problems faced by the characters of this novel. This article will be beneficial for those students who aim to study the psychological conditions of the characters of other novels written in Urdu.

Keywords: *Bakht Jahan, Inamullah, Shabahat, Psychological, Personality Disorder, Schizophrenia, Nostalgia, Drug Addiction*

کلیدی الفاظ: بخت جہان، انعام اللہ، شباہت، نفسیاتی، منتشر شخصیت، خبطِ عظمت، ماضی پرستی، منشیات خوئی۔

انسانی زندگی میں نفسیات کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں اور نفسیات کا عمل دخل وقت کے دھارے کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ معاش، معاشرتی، تہذیب، بود و باش، نظامِ حکومت، امن، جنگ غرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں نفسیات کی ضرورت پیش نظر نہ ہو۔ انسانی زندگی اور نفسیات کا آپس میں مضبوط رشتہ ہے۔ ادب جو کہ زندگی کا عکاس ہے اور اس کا عکس ہر دور کے ادب میں دکھائی دیتا ہے۔ اگر ایک طرف ادب زندگی کی عکاسی کرتا ہے تو دوسری طرف نفسیات انسانی کردار کا مطالعہ اس کے ماحول کے مطابق کرتی ہے۔

نفسیات یعنی سائیکالوجی یونانی زبان کا لفظ ہے۔ ’’Psycho‘‘ جس کے معنی روح ہیں اور ’’logy‘‘ جس کے معنی گفتگو، بات اور علم کے ہیں۔ ان الفاظ کی مناسبت سے روح کے بارے میں جو بھی گفتگو کی جائے وہ روح کا علم ہوگا اور روح کے اسی علم کو نفسیات کا نام دیا گیا ہے۔ اردو لغت میں نفسیات کے معنی اس طرح درج ہیں:

> ’’نفسیات [س] (اردو، مذکر)، علم النفس، وہ علم جس کا تعلق ذہن سے ہے۔‘‘(۱)

’’فرہنگِ عامرہ‘‘ کے مطابق:

> ’’نفسیات (نف، سی، یات) وہ علم جو انسان کی روحی اور حِسیاتی زندگی سے متعلق ہے، دماغی شعور کا علم، نفسی کی جمع۔‘‘(۲)

یعنی انسانی حِسیات اور انسانی روح کے متعلقات کو علم النفسیات کا مطالعہ کہا جاتا ہے اور اسے دماغی شعور کا وہ علم قرار دیا گیا ہے کہ جس کی پرتیں زندگی کے ساتھ ہمیشہ مربوط رہتی ہیں۔ اردو ادب میں ایسے بہت سے ناول منظرِ عام پر آچکے ہیں جو اپنے کرداروں کے مطالعہ کے حوالے سے نفسیات کے میدان میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ جن میں دورِ حاضر کے مشہور ناول نگار مستنصر حسین تارڑ کا نام بھی شاملِ ذکر ہے۔ ان کا ناول ’’خس وخاشاک زمانے‘‘ جو کہ ۲۰۱۰ء میں لکھا گیا، نفسیاتی حوالے سے انفرادی حیثیت کا حامل ہے۔

ناول کا انتساب ’’عطار کے پرندوں اور نئے آدم کے نام‘‘ ہے۔ فرید الدین عطا فارسی کے ایک مشہور شاعر ہیں اور یہ انتساب آپ کی مشہور فارسی نظم ’’منطق

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

الطیر“ سے ادھار لیا گیا ہے۔تارڑ کا یہ ناول ”خس وخاشاک زمانے“ کی کہانی ۱۹۲۹ءیا ۱۹۳۰ءسے لے کر موجودہ صدی کے شروع ہونے اور اس کے بعد تک محیط ہے۔تارڑ کا یہ ناول ۷۴۰ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم ناول ہے۔اس ناول کا موضوع ”وقت“ ہے۔تین نسلوں کی داستان پر مشتمل یہ ناول اپنے اندر اس دور کی تینوں نسلوں جن کا ناول میں ذکر کیا گیا ہے ان کے عروج وزوال، تہذیب وثقافت، رسم ورواج اور معاشرت کو بیان کیا گیا ہے۔برصغیر میں قیامِ پاکستان سے قبل یہاں آباد مختلف مذاہب کے درمیان دوستانہ تعلقات جن میں مسلمان اور سکھ مذہب کا ذکر بہت زیادہ مقدار میں ملتا ہے اس کے ساتھ ساتھ ناول میں ہمیں ۱۹۴۷ءکے فسادات جس میں انسانی جانوں کا بے دریغ خاتمہ کرنا، قیامِ پاکستان کے بعد مہاجرین کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تبادلہ کرنا اور اس امر سے جُڑے حالات، پاکستان کے حصول اور بعد ازاں یہاں کی معاشرت اور ریاست کی خستہ حالی، فوجی حکومتوں اور ملاؤں کا گٹھ جوڑ ۱۹۶۵ء، اور ۱۹۷۱ء میں ہونے والی جنگیں، سقوطِ ڈھاکہ کا واقعہ، صحافت کی آزادی کے عوض جلاوطنی اور پردیس میں اجنبیت کا حساس، بدیسی بیزاری (Xehophobia) ۹/۱۱ سانحہ کے بعد امریکی ذرائع ابلاغ کا ردِ عمل۔یورپ میں مقیم پاکستانیوں کی مشکلات، امریکہ پالیسی، تہذیبی ٹکراؤ، جس میں تارڑ نے یہ دکھایا کہ وہ نہ صرف وادی سندھ کی تہذیبی ارتقا کو بیان کرنے پر مہارت رکھتے ہیں بل کہ مقامیت سے بین القوامیت کا سفر طے کرتے ہوئے بھی ان کا قلم لڑکھڑاتا نہیں۔اگر ناول کے حصول پر بات کی جائے تو ناول کا پہلا حصہ جہاں سیاست، روایات، تہذیب، تاریخ اور اس خطے کے انسانوں کی نفسیات میں گندھا ہوا ہے، وہیں آخری حصہ ایک جہاں دیدہ آوارہ گرد کے گہرے تجزیوں کا اظہاریہ ہے۔ناول کا دوسرا حصہ پاکستانی نژاد انگلش ناول نگاروں کے نائن الیون کے بعد مسلم شناختی بحران پر لکھے گئے کسی بھی بڑے ناول سے کم تر نہیں ہے۔ناول میں تاریخ، تہذیب برصغیر کی تقسیم، پاکستان کے ابتدائی تیس سالوں کی لڑکھڑاتی صورتِ حال، ہند و پاکستان کے درمیان ہونے والی جنگوں، ضیاالحقی دور کی حشر سامانیوں، شناختی بحران، اسلاموفوبیا، موت وحیات کی کش مکش، سرکش انسانی رویوں، مذہبی شدت پسندی اور نسلی تفاخر جیسے کئی موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

'بخت جہاں'

'بخت جہاں' کا کردار اس ناول میں مرکزی کردار کی حیثیت رکھتا ہے۔ناول کا ایک حصہ 'بخت جہاں' کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور اُس کی نفسیات کو اُجاگر کرتا ہے۔نفسیاتی سطح کی اس صورتِ حال میں 'بخت جہاں' کی سماجی، معاشرتی، خاندانی اور انفرادی زندگی کو اس قدر عمدگی سے بیان کیا گیا ہے کہ قاری ناول میں اپنی دل چسپی بنائے رکھتا ہے۔بخت جہاں اپنی شخصیت کے حوالے سے بہت سے مسائل کا شکار ہے۔اس کی شخصیت میں یہ بے ترتیبی بچپن سے ہی پائی جاتی ہے اور وہ اپنی پوری زندگی میں اپنی شخصیت کو اسی ڈگر پر چلاتا ہے۔بخت جہاں میں انا اور اپنی ذات کو لے کر جو غیر معمولی عادات آتی ہیں اس کی ایک وجہ بچپن میں بخت جہاں کی عمر چار دن تھی تب اس کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ماں کے انتقال کے بعد بخت جہاں نے اپنے گاؤں کی شادو تیلن کا دودھ پیا تھا جس کی عادات واطوار بخت جہاں میں منتقل ہوئے:

> ”لوگ کہتے ہیں کہ بخت جہاں کی خصلت میں جو طیش آیا۔ظلم اور بے حسی کی جو آتش بھڑکی اس کا سبب یہ تھا کہ اس نے اپنی ماں کے دودھ کے بجائے شادو تیلن کی دبیز چھاتیوں سے منہ مارا تھا۔۔۔شادو تیلن کی خصلت بھی بس یہی کچھ تھی۔“(۳)

بخت جہاں نفسیاتی طور پر اس قدر بیمار شخصیت کا انسان ہے جو اپنی ساری زندگی ایسے کاموں میں گزار دیتا ہے جس سے لوگوں کو اور اس کے اپنے ہی گھر والوں کو بہت زیادہ مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔وہ اپنی ذات میں اس قدر کھویا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ زندگی کے آخری موڑ تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔وہ اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہر وہ کام کرتا ہے جو وہ اپنی نارمل زندگی جس میں وہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔زندگی میں ہر طرف عیش وعشرت کا سامان بخت جہاں کے اندر ایسی غیر معمولی تبدیلیاں کرتا ہے کہ وہ جب خالی ہاتھ ہو جاتا ہے تو اپنی ضرویات کو جس میں کھانے پینے کی اشیا آتی ہیں حلال اور حرام کی تمیز کیے بغیر اُنھیں پورا کرتا ہے۔اس حوالے سے بخت جہاں اپنی بھتیجی نور بیگم سے مخاطب ہے:

> ”تجھے نہیں پتا موئے ہوئے مرغ اور بندے میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔۔۔بے شک کسی مرچکے مرغ اور بندے کا گوشت بھون کر کھالو ان میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔۔۔میں نے۔۔۔درجنوں موئی ہوئی مرغیاں اپنے چولہے پر چڑھائی ہیں پر مجال ہے کہ ان کے حلال نہ ہونے سے سواد میں کچھ فرق آیا ہو۔۔۔“(۴)

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

بخت جہان غربت سے تنگ آکر حلال و حرام کی تمیز کھودیتا ہے۔اپنی عمر کے اس ضعف میں وہ حرام کا اس قدر عادی ہو جاتا ہے کہ ثواب و گناہ اُس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتااور وہ اس تصور کو فراموش کر دیتا ہے۔اس کی جواں مردی اور طاقت کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی بھی شخص اس کے مدِ مقابل آنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔اس کی عیش و عشرت نے اس کو فاقوں کی نوبت اور مردار کھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

بخت جہان کا کردار ہمیں(Personality disorder) کا شکار نظر آتا ہے۔وہ شخصیت کی اس بے ترتیبی میں اس قدر ڈوبا ہوا ہے کہ اپنے سگے دوست لہناں سنگھ کی بیوی سے شادی کر لیتا ہے۔

شخصیت کے امراض جہاں بخت جہان کے اندر شدت، سماجی اور ثقافتی معیار سے انحراف، کردار کے اندر بے لچک جیسے عناصر پیدا کر رہے تھے جس سے وہ بری طرح متاثر ہو رہا تھاایسے لوگ ذہنی توازن تو نہیں کھوتے لیکن ایک پریشان اور غیر مطمئن زندگی گزارتے ہیں یا تو وہ خود ناخوش رہتے ہیں یا وہ اپنے ساتھ رہنے والے کو دکھی رکھتے ہیں۔اس کی ایک مثال (Psychopath) کی ہے۔بخت جہان کا کردار اپنے اندر ایسی تمام علامات رکھتا ہے جو اسے ایک شخصیت کے امراض میں مبتلا فرد کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ایسے کرداروں کے حوالہ سے کہا جاتا ہے:

> ”ایسے لوگوں کی جبلتوں (Instincts) میں بہت شدت ہوتی ہے۔ تحلیلِ نفسی کے نقطہ نظر کے تحت ان کی Id بہت مضبوط ہوتی ہے لیکن Super Ego بہت کمزور۔ بچپن میں ان کے ضمیر کی مکمل نشوونما نہیں ہو پاتی اس لیے احساسِ گناہ بہت کم ہوتا ہے۔ وہ نہ تو اخلاقیات کا احترام کرتے ہیں اور نہ قانون کی پابندی۔ ان کی خود غرضانہ زندگی ان کے خاندان، دوستوں اور معاشرے کے لوگوں کو پریشان رکھتی ہے۔ ان کی زندگی کے سارے پہلو ناآسودگی کا شکار رہتے ہیں۔“(۵)

شخصیت کے امراض کو دیکھتے ہوئے ہمیں ناول کے مطالعہ سے اس بات کا باخوبی پتا چلتا ہے کہ اخلاقی حوالے سے بھی بخت جہان کا کردار اپنے اندر منفی اثرات لیے ہوئے ہے۔وہ اپنی بیویوں کے ساتھ ساتھ گاؤں کی دوسری عورتوں کے ساتھ بھی جنسی تسکین حاصل کرتا ہے۔اس گناہ کے ارتکاب کے وقت وہ اس بات کو بھول جاتا ہے سامنے والی عورت اس کے مدِ مقابل عمر،ذات اور خاندان میں کیا ہے۔بخت جہان موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غیر اخلاقی حرکات کرتے ہوئے نظر آتا ہے۔اس حوالے سے ناول سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> ”ہر گاؤں میں ایک دو لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں جو کوٹھے ٹاپنے کی ماہر ہو جاتی ہیں۔۔۔۔انھیں چسکا لگ جاتا ہے۔مرد کے بدن کا نشہ لگ جاتا ہے اور وہ رہ نہیں سکتیں۔لوگوں کے ذہن میں سوال اٹھتے تھے۔۔۔۔کہ اس نے ایک آوارہ مزاج عورت سے شادی کیوں کی جس سے گاؤں کا ہر دوسرا نوجوان حظ اٹھا چکا تھا۔۔۔۔“(۶)

بخت جہان کی شخصیت میں ہمیں جہاں Personality disorder نظر آتا ہے وہاں شیزوفرینیا (Schizophrenia) جسے اردو میں انشقاق ذہنی کہا جاتا ہے اس کا شکار بھی نظر آتا ہے۔شیزوفرینیاایسی ذہنی مرض ہے جس میں فرد کی سوچ، ہیجانات،احساسات اور کردار بری طرح متاثر ہو جاتا ہے۔مریض کا فکر غیر منظم، گفتگو بے ربط، ادراک غیر حقیقی اور توجہ منتشر ہو جاتی ہے۔بخت جہان کے کردار کا ذکر بخوبی مطالعہ کیا جائے تو ناول میں جگہ جگہ وہ ہمیں احساسات سے عاری کردار کی بے ترتیبی اور فکر سے دور کردار نظر آتا ہے۔بخت جہان کے کردار میں ہمیں گفتگو کی بے ربطی اور غیر مناسب الفاظ جو اس کے ذہنی انشقاق کی علامت سمجھا جاتا ہے اس کا ثبوت ہے۔وہ مختلف مواقع پر زبان سے غیر مناسب الفاظ بولتا ہوا نظر آتا ہے۔یہ ساری کیفیات اس کے ذہن کے اندر غیر ترتیب شدہ خیالات کی بدولت سے پیدا ہوتا ہے۔ناول کے ایک اقتباس میں بخت جہان اپنی فکر،احساسات سے عاری ہو کر یوں کہتا ہے:

> ”اوئے کنجریئے“۔۔۔۔دلاری دہل گئی۔۔۔۔”تجھے سانپ نے ڈس لیا ہے۔۔۔۔مار پلا اور بجھا دے دیوا۔۔۔۔اور کر آنکھوں سے باتیں“ بخت جہان نے اپنے ذہن سے وہ بونے نکال باہر کیے اور شراب کا پیالہ اُٹھا کر کہا ”چھی“۔“(۷)

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

بخت جہاں کے کردار میں احساسات کا اس قدر کھوکھلا ہونا دیکھا گیا کہ وہ اپنی اُس بیوی کی چیخ و پکار تک نہیں سُنتا جو اُس کے لیے اپنا خاوند، گھر اور یہاں تک اپنا مذہب بھی چھوڑ چکی تھی۔ وہ امرت کور جو پہلے ایک سکھنی تھی بعد میں مسلمان ہو کر کنیز فاطمہ بن چکی تھی۔ کنیز فاطمہ نے اپنے دو بیٹے گوبند اور نونہال سنگھ بھی اپنے ہمراہ لائی اور اُنھیں بخت جہاں اور مولوی صاحب کی موجودگی میں کلمہ پڑھوا کر مسلمان کر دیا تھا۔ اتنا سب کچھ کرنے والی کنیز فاطمہ جب بخت جہاں کے بچے کو جنم دینے لگی تو بخت اپنی مستی میں ڈوبا اس کی ہر تکلیف سے عاری نظر آتا ہے۔ احساسات کا اس قدر بے حس ہونا اس کا اندازہ ناول کے اندر ذکر کیے جانے والے واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے:

> "بخت جہاں نے اپنی پگڑی کے شملے پر ہاتھ پھیر کر اس کی کلف زدہ اکڑاہٹ کو عرش تک پہنچتے ہوئے محسوس کیا اور مسکرانے لگا۔۔۔ اور اس لمحے اُس کے کانوں میں ایک ملفوف سی چیخ اُتری جو امرت کور کی تھی پر اُس نے کچھ دھیان نہ دیا اور بھانڈوں کی جانب چند سکے اچھال دیے۔"(۸)

بخت جہاں کا کردار ناول میں ہمیں شراب نوشی، افیون دونوں کا استعمال کثرت سے کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جب اس کے حالات بہتر ہوتے ہیں تب یہ ہر روز کیکر سے نکلی تازہ شراب اور ساتھ بھنا ہوا گوشت کھاتا ہے۔ رات کو یا اکثر دن کے وقت سونے سے پہلے وہ افیون کی دو یا تین گولیاں بالائی کے ساتھ کھاتا ہے تاکہ وہ سکون کی نیند لے سکیں۔ بخت جہاں کے اندر اس عادت کو منشیات خوئی Alcohol and drugs کہتے ہیں۔ اس عادت میں مبتلا شخص کسی مواد یا چیز کو بار بار کھانے کی خواہش اس قدر بڑھ جائے کہ اسے چھوڑنا مشکل ہو اسے منشیات خوئی Drug Addiction بھی کہا جاتا ہے۔ چرس، افیون، ہیروئن اور شراب وغیرہ کا استعمال اس زمرے میں آتا ہے۔ بخت جہاں اسی نشے میں مست اپنے بڑے بھائی محمد جہاں کی زمینوں پر ہل چلا دیتا ہے۔ ناول کا اقتباس اس حوالے سے نشان دہی کرتا ہے:

> "تو وہاں بخت جہاں کے یار لہناں سنگھ کے کارندوں کے ہل چل رہے تھے اور بخت جہاں ایک لمبی ڈانگ کے سہارے قدرے جھولتا، مونچھیں سنوارتا افیون کے نشے میں ذرا جھومتا کھڑا تھا اور اس نے کہا۔۔۔ "بھرجائی۔۔۔ تیرا راج ختم ہوا۔۔۔ زمین اُس کی ہوتی ہے جو اُس میں ہل چلائے۔۔۔"(۹)

بخت جہاں اپنے بھائی محمد جہاں کے مرنے پر اس کی تمام زمینوں پر ہل چلاتا ہے اور خود کو بھائی کے مر جانے کے بعد ایک طاقت ور انسان سمجھنے لگتا ہے۔ بخت جہاں کا یہ رویہ اس کے اندر شیزوفرینیا کی علامت پائے جانے کی نشان دہی کرتا ہے جس میں انسان خود کو احساسِ برتری کی وجہ سے سپر پاور محسوس کرتا ہے۔ رخشندہ شہناز خبطِ عظمت کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> "خبطِ عظمت (Delusion of Grand iose) میں فرد خود کو بادشاہ، ملکہ، ولی، بزرگ، سپر مین یا کوئی بڑی شخصیت سمجھنے لگتا ہے۔"(۱۰)

بخت جہاں کے کردار میں جہاں ہمیں ایسی تمام بیماریاں نظر آتی ہیں جو اُس کے کردار کی بے ترتیبی، ذہنی تناؤ اور اپنی فطرت کے ہاتھوں بے بس ہوتے ہوئے ایسے تمام کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے جس سے وہ ایک منفی کردار کی صورت میں نظر آتا ہے۔ لیکن ایک طرف اگر بخت جہاں کے کردار کو دیکھا جائے تو اس کے اندر احساسِ محبت کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے۔ بخت جہاں کے ہاں جب بیٹی کی پیدائش ہوتی ہے تو اس کی حالت ایک ایسے بدن کی طرح ہوتی ہے جس کو کچلا گیا ہو۔ کنیز فاطمہ بخت جہاں کو دھمکی دیتی ہے اگر تو نے میری بیٹی کو ہاتھ بھی لگایا تو میں تیرے ڈکرے کر دوں گی۔ کنیز فاطمہ کو لگتا تھا کہ بخت جہاں اس کی بیٹی (صاحباں) کو ایک نامکمل بچہ ہونے کی وجہ سے مار دے گا پر جب بخت جہاں اپنی بیٹی کے پاس آتا ہے تو اس کی حالت ایک ایسے باپ کی طرح مشفق ہو جاتی ہے جو ایک دفعہ اپنی بیٹی کو دیکھتا اور پیار کرنے کی بے پناہ حسرت لیے ہوتا ہے۔ بخت جہاں کی اپنی بیٹی سے محبت اس طرح بیان کی گئی ہے:

> "نہ۔۔۔نہ۔۔۔" بخت جہاں ایک عجیب سے دُکھ میں ڈوبا ہوا بولا "نہ۔۔۔ امرت کورے۔۔۔ میں تو اسے صرف چھونے لگا تھا۔۔۔ ذرا لاڈ پیار کرنے لگا تھا۔"(۱۱)

بیٹی کے باپ ہونے کا احساس اور ایک ایسے بچے کا باپ جو اپنی جسامت کے لحاظ سے نامکمل ہوتا ہے۔ بخت جہاں کے دل کو موم کی طرح نرم کر دیتا ہے۔ ناول میں ہمیں بخت جہاں کا کردار ظلم و ستم کرتا، لوگوں کے حقوق کو پامال کرتا، حلال و حرام سے دوری اور اخلاقی سطح سے دور کردار نظر آتا ہے لیکن ایک طرف اسی کردار میں اپنی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

بیٹی کو لے کر محبت کا جذبہ اُسے ایک مشفق باپ کے روپ میں ڈھال دیتا ہے۔ایسے کردار اپنی ناانصافیوں اور کہیں کہیں معاشرتی وسماجی اچھائیوں کی بدولت معاشرے میں ایک ایسے کردار کی صورت زندہ رہتے ہیں جن کے وجود کو نظرانداز کرنا ناممکن ہوتا ہے۔بخت جہان بھی ایسے ہی کرداروں میں سے ایک کردار ہے۔

انعام اللہ کا کردار ناول میں مرکزی کردار کی حیثیت رکھتا ہے۔انعام اللہ ایک ایسے بچے کی طرح منظرِ عام پر آتا ہے جس کی پیدائش پر اس کے والدین اسے مسجد کی سیڑھیوں پر رکھ کر چلے جاتے ہیں۔گاؤں کے لوگ اور امام مسجد صبح فجر کی نماز کے بعد مسجد کی سیڑھیوں پر بچے کو روتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اس بات پر متفق ہوتے ہیں کہ یہ کسی کا حرام کا بچہ ہے لہٰذا اس کو سنگسار کر دیا جائے مگر سانسی اسے اپنے تصرف میں لے لیتا ہے۔اس بچے کے ذریعے ناول نگار نے سماج میں موجود ان لوگوں کا چہرہ بے نقاب کیا ہے جو حیوانی سطح پر ہیں۔سانسی اس نومولود کو اپنے گھر لے آتا ہے اور پھر چاروں مل کر سانسی، امیر بخش، عزیز جہاں اور سوہن سنگھ اس کی پرورش کرتے ہیں اور بچے کا نام انعام اللہ رکھا جاتا ہے۔

ناول میں آگے چل کر انعام اللہ ایک غیر معمولی کردار کے طور پر سامنے آتا ہے۔وہ نیویارک اور کینیڈا کا سفر کرتا ہے۔جب ۹/۱۱ کا اندوہناک سانحہ ہوتا ہے تو وہ امریکہ میں ہی موجود ہوتا ہے۔نفسیاتی سطح پر ان تمام واقعات نے انعام اللہ کی شخصیت میں غیر معمولی تبدیلیاں کر دی تھیں۔وہ معاشرے کے اس بے رحم رویے کو بے حد محسوس کرتا ہے۔ناول میں جگہ جگہ ہمیں انعام اللہ کا کردار خود کو انسانی کرب سے نکال کر ایک نئے آدم کی تلاش کرتا دکھائی دیتا ہے۔

انعام اللہ کے کردار میں سب سے بڑا نفسیاتی پہلو اس کا حرامی ہونا ہے۔جب وہ ایک چھوٹا سا بچہ تھا تب اس کے والدین اُس کو مسجد کی سیڑھیوں پر تنِ تنہا چھوڑ گئے جہاں سروسانی ایک فرشتے کی طرح آتا ہے اور اسے اپنا بیٹا کہہ کر موت کے منہ سے نکال لیتا ہے۔سروسانی اس کو اپنے دونوں بیٹوں موتی اور موجو کی طرح محبت کرتا ہے۔انعام اللہ کا کردار نفسیاتی سطح پر ایک ایسا متحرک کردار نظر آتا ہے جو اپنی اصلیت کو لے کر ذہنی بیماری کا شکار ہوتا ہے۔معاشرے میں ایک خاص پہچان کا نہ ہونا انسان میں طرح طرح کی نفسیاتی بیماریاں پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔انعام اللہ کا کردار ہمیں اپنی ذات کو لے کر ذہنی بیماری کا شکار ہے۔ساتھ ساتھ وہ جب امریکہ میں قیام پذیر ہوتا ہے وہاں ۹/۱۱ کا واقعہ جب عین اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے جو بعد میں پیدا ہونے والی انتقامی صورتِ حال کا بغور جائزہ انعام اللہ کے اندر بہت سی جذباتی تبدیلیاں پیدا کرتا ہے۔

انعام اللہ کے کردار میں ہمیں شیزوفرینا بیماری کی علامات نظر آتی ہیں۔خیالات کا یوں ہر وقت انعام اللہ کے ذہن میں چلنا اور ایسے سوالات جو اس کی ذہنی سطح میں خلل پیدا کرتے ہیں یہ سارے خیالات اس کے اندر (Hallucination) جس کو واہمے اور ادراک کا خلل کہتے ہیں اس کی وجہ سے ہے۔انعام اللہ اپنے انھی خیالات کی وجہ سے خود کو ایک ذہنی مریض تصور کرتا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ان سوچوں اور سوالوں سے لڑتا لڑتا ایک دن ذہنی بیماری کا مریض بن جائے گا۔انعام اللہ خود کے اندر ہوتی اس غیر ارادی اور ذہنی بیماری کے آثار محسوس کرتا ہے۔انعام اللہ اپنے اسی ذہنی دباؤ کے زیرِ اثر اپنا ایک انگریزی ناول تحریر کرتا ہے جس میں وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ ایک حرامی ہے۔ناول کو انعام اللہ کی خودنوشت بھی کہا جاتا ہے۔ساری زندگی کے اس تکلیف بھرے احساس میں زندہ رہنا کہ اس کے ماں باپ نے اس کو مسجد کی سیڑھیوں پر کیوں چھوڑ دیا کیا وہ اپنے سگے ماں باپ کی اولاد نہیں ہے۔ایسے تمام خیالات جس ذہنی سطح پر بلندی حاصل کرتے ہیں تو انسان ان کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔انعام بھی ان خیالات اور معاشرتی رویے کے آگے بے بس ہو جاتا ہے اور یہ بے بسی آخر کار اسے اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور کرتی ہے جس کا اظہار وہ اپنے ناول میں یوں کرتا ہے:

> ”اس نے اسی دباؤ اور خواہش کے تحت۔۔۔اپنا پہلا انگریزی ناول ”ایک حرامی کی سرگزشت“ تحریر کیا۔۔۔اردو اخباروں کو تو اس کے ناول کی اشاعت کی خبر ہی نہ ہوئی البتہ انگریزی اخباروں میں اس کی بہت توصیف ہوئی۔۔۔”آٹو بائیو گرافی آف اے باسٹرڈ“۔۔۔اس میں کچھ قصور اس کا بھی تھا، ایک انٹرویو کے دوران اس نے اقرار کیا تھا کہ ناول کا مرکزی کردار وہ خود ہے۔۔۔یہ اس کی سرگزشت ہے اور اسے ایک حرامی ہونے میں کچھ شرمندگی نہیں ہے۔“(۱۲)

انعام اللہ کا کردار جہاں ہمیں نفسیاتی الجھنوں کا شکار نظر آتا ہے وہاں اس کا کردار ہمیں اپنی ذات کو لے کر خوددار بھی نظر آتا ہے۔وہ دوسروں کے سہاروں پر

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

زندگی گزارنے کو ترجیح نہیں دیتا۔ بچپن کے واقعات اور معاشرے کے رویوں نے انعام اللہ کے کردار کو ایک مضبوط اعصاب کا مالک کردار بنا دیا ہے۔ وہ اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ خود کی کمائی ہوئی دولت کے سرپر گزارتا ہے۔ خود کفیلی کی اس عادت نے انعام اللہ کے کردار کو جہاں معاشرتی سطح پر ترقی دی وہاں اس کے کردار کو معاشی اور سماجی دباؤ کا شکار ہونے سے بچایا۔ وہ صحافت کے ذریعے ، ناول تحریر کرکے اور اس سے قبل تو وہ ہر طرح کے چھوٹے موٹے کام کرکے خود کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے محنت کرتا دکھائی دیتا ہے۔

انعام اللہ اس کے بعد کینیڈا کی سڑکوں پر نئے کام کی تلاش میں نکلتا ہے وہ مختلف ہوٹلوں کا وزٹ کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انواع واقسام کی دوکانوں کا آخرکار وہ ایک گفٹ سینٹر کا انتخاب کرتا ہے۔ انعام اللہ ابھی دوکان کا نام ''گفٹ فاربی'' رکھتا ہے اور وہ اپنے ساتھ دوسری لنکا کی لڑکیاں بطور سیلز مین رکھتا ہے۔ اس کاروبار میں انعام اللہ نے صرف ایک کرسی پر بیٹھ کر منیجر کی خدمات سرانجام دینا تھی لیکن جب روشن کا فون انعام اللہ کو آتا ہے تو باتوں باتوں میں انعام اُسے اپنی گفٹ سینٹر کی شاپ کے بارے میں بتاتا ہے کہ وہ کینیڈا میں ایک گفٹ سینٹر چلاتا ہے۔ جس پر روشن انعام اللہ کے ساتھ بھرپور قسم کا مزاح کرتا ہے کہ وہ اتنا اچھا لکھاری ہو کر ایسے کاموں میں کیوں خود کو ضائع کرتا ہے۔ روشن کے انداز میں ہنسی اس قدر شدید تھی کہ انعام اللہ کو معلوم یوں ہوتا جیسے وہ اس کے بالکل سامنے کان سے کان لگا کر قہقہے لگا رہا ہے۔ بقول مصنف:

> ''وہ قہقہے روشن کے، افغانستان کے سلگتے بارود کی بو میں سلگتے ویرانوں اور کچی بستیوں۔۔۔ یورپ کے مکمل امن پر سے بحر اوقیانوس کو پار کر کے کینیڈا کی کائنات۔۔۔ نہ مدہم ہوتے تھے، فون پر وہ ایسے کھنکتے سناتی۔۔۔ برابر میں آن بیٹھا ہو۔۔۔ تو گویا تم زوال کے پاتال میں پہنچ گئے ہو انعام اللہ۔۔۔ ''آٹو بائیو گرافی اے باسٹرڈ'' اور ''ٹیکسی ڈرائیور ایک طوائف'' کا ناول نگار۔۔۔ اب اپنی تخلیقی! صلاحتیں بروئے کار لاتے ہوئے تھے اور کھلونے بیچ رہا ہے۔''(۱۳)

انعام اللہ کا کردار ناسٹلجیا بیماری کا شکار نظر آتا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی رجحان ہے جس کو ماضی کے شدید احساس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پریکٹیکل ڈکشنری میں ناسٹلجیا کے معنی:

> "Nostalgia describes a longing for the past after in idealized from. Nostalgia may or may not also be know as homesickness."(14)

محمد عاصم بٹ ناسٹلجیا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ناسٹلجیا خود کو دہرانے کی خواہش کا نام ہے، ناسٹلجیا سے مراد اپنے ماضی کی طرف لوٹنے کا عمل ہے، ماضی سے مراد اپنا وہ سب کچھ جو ہو چکا ہے اور وہ سب کچھ جو پہلے تھا اس کی طرف لوٹنے کی خواہش ناسٹلجیا ہے۔''(۱۵)

انعام اللہ جب نیویارک کی سڑکوں پر ٹیکسی چلاتا ہے تو اُسے روشن کے ساتھ گزارے دنوں کی یاد ستاتی ہے وہ گاؤں کے ساگ، ستو اور گڑ کے شربت اور روشن کے ساتھ گزرے دنوں کو اتنی شدت سے محسوس کرتا ہے کہ وہ خود کو وہاں محسوس کرتا ہے۔ روشن کے ساتھ جب بھی انعام اللہ فون پر بات کرتا ہے تو اُس سے ان تمام باتوں کے بارے سوالات کرتا ہے جن کو وہ کثرت سے یاد کرتا ہے۔ انعام اللہ کی پہلی ہجرت مسجد کی سیڑھیوں سے سروسانی کی گود میں ہوئی تھی اس کے بعد اُس کی دوسری ہجرت نیویارک (امریکہ) میں ہوتی ہے۔ یہ خود کو یہاں تنہا محسوس کرتا ہے اور ایک کامیاب ادیب، صحافی بننے کے باوجود وہ اُن تمام باتوں کو یاد کرتا ہے جو اُس نے ذہن میں بچپن سے اُس کا حصہ تھی۔ انعام اللہ موجود حال کی اس صورتحال کو ماضی سے جوڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور ان باتوں کو اور خود کو دہرانے کی خواہش رکھتا ہے۔ ناول میں انعام اللہ کی اس کیفیت کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

> ''جون، جولائی کے مہینوں میں وہ فون پر روشن سے پہلا سوال یہ کرتا ہے کہ روشن۔۔۔ گڑ کے شربت میں گھلے ہوئے ستو اُس کے حلق میں اترتے اور آموں کی گرم سوندھی مٹھاس کے تصور سے اُس کے ہونٹ چپکنے لگتے۔۔۔ پیز انگلتے

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ہوئے اُسے دیسی گھی میں گندھی ہوئی سفید مکئی کی روٹی یاد آجاتی جس پر سرسوں کے ساگ کی ٹاپنگ ہوا کرتی تھی۔۔۔
مجھے ان تمام چیزوں اور گزرے ہوئے لمحوں کی یاد ستاتی ہے۔۔۔"(۱۶)

انعام اللہ کا کردار ناول میں نفسیاتی سطح پر بہت سے مسائل کا شکار کردار نظر آتا ہے۔اُس کے شعور اور لاشعور پر ایسے بہت سے واقعات نقش ہو چکے ہیں جو اُس کی شخصیت کی بے ترتیبی کے ساتھ ساتھ اُسے ذہنی الجھاؤ کو شکار کیے ہوئے ہیں۔ان واقعات میں سب سے زیادہ تکلیف دہ اُس کی اپنی خاص پہچان کا نہ ہونا تھا۔انعام اللہ اپنی شناخت کو لے کر بہت زیادہ حساس نظر آتا ہے۔وہ اس بات کی خواہش کرتا ہے کہ اُسے سروسانی کے ذریعے معلوم ہو سکے اُس کے اصل ماں باپ کون ہیں اُن کا مذہب اُن کی قبریں کہاں ہیں۔

انعام اللہ اپنی شناخت کو لے کر گاؤں کو رُخ کرتا ہے جہاں اُس کی ملاقات غلام رسول سے ہوتی ہے جو نماز پنجگانہ ادا کرتا ہے۔انعام اللہ اُس سے استفادہ کرتا ہے میاں جی کیا آپ اس واقع کے بارے میں جانتے ہیں کہ ایک صبح مسجد کی سیڑھیوں پر کوئی پوٹلی ڈال گیا تھا۔جس پر میاں جی کہتے ہاں! کچھ یاد تو پڑتا ہے پر تم اُس بارے مجھ سے کیوں سوال کر رہے ہو؟ جس پر انعام اللہ اُسے یہ کہہ کر چپ کروا دیتا ہے کہ وہ ایک اخبار میں مضمون لکھ رہا ہے جس کا مقصد نئی ابادی پر قدرتی ماحول نے جو بربادی کی ہے اُس پر تحقیق کرنا ہے۔میاں جی انعام اللہ کو بتاتے ہیں ایک صبح فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد جب وہ اور گاؤں کے امام صاحب کچھ اور لوگ مسجد سے باہر نکلتے ہیں تو کیا دیکھتے ایک نومولود بچہ اس قہر نما سردی میں مسجد کی سیڑھیوں پر پڑا ہے۔سردی کی وجہ سے بچہ نیلا پڑ چکا تھا۔ظاہر ہے حرامی بچہ تھا۔مولوی صاحب نے بہت روکا پر ایک نوجوان نعت خواں اُسے سنگسار کرنے پر تلا تھا پر اتنے میں ایک سیاہ شکل کا ایک شخص نمودار ہوتا ہے اور فریاد کرنے لگا کہ یہ تو میرا بچہ ہے میں ذرا کھیتوں میں فارغ ہونے کے لیے گیا تھا۔سوچا اسے یہاں چھوڑ جاؤں تم اس کو پتھر مت مارو اتنی بات کہتے ہوئے وہ اُسے سینے سے لگا کر دانت نکالتا غائب ہو گیا۔ہم سب اس موقع پر ابھی سوچ و بچار کر رہے تھے کیا کرنا چاہیے انعام اللہ اس واقع کو سننے کے بعد سروسانی کے لیے بہت زیادہ محبت کا جذبہ محسوس کرتا ہے کیونکہ ایک وہ واحد شخص تھا جس نے ماں باپ کے چھوڑنے کے بعد دوسری دفعہ لوگوں کے ہاتھوں سنگسار ہونے سے اُسے بچایا اور ایک نئی زندگی بخشی۔ناول میں انعام اللہ کی اس کیفیت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

"انعام اللہ کی آنکھیں آنسوؤں کے ان ریلوں کو سنبھال نہ سکیں جو سروسانی کے لیے بے پناہ تشکر اور الفت کے نذرانوں کے طور پر اُس کے پورے بدن میں سے پھوٹتے تھے۔"(۱۷)

انعام اللہ کا کردار ناول میں ہمیں مختلف آزمائشوں اور ذہنی الجھاؤ سے لڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے تو دوسری طرف ہمیں ایک ایسے انسان کے روپ میں نظر آتا ہے جو رشتوں میں خالص محبت پیدا کرنے اور ان کی قدریں بڑھانے میں اپنی خواہشاتِ نفس تک کو متروک کر دیتا ہے۔

انعام اللہ کی جب شادی ہوتی ہے تو وہ اپنی بیوی سے پہلی رات محض اس لیے ازدواجی رشتہ قائم نہیں کرتا کہ ہمیں زندگی کے اس سفر میں ایک دوسرے کو پہلے جان لینا چاہیے تاکہ رشتے کو بہتر انداز سے چلایا جائے جس کی وجہ سے انعام اللہ کو اپنی بیوی کی کھری تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔وہ اس واقع سے مکمل طور پر آگاہ نہیں تھا جو اس کی سوچ کردہ اس فکر نے اُسے سب کے سامنے رسوا کروایا۔انعام اللہ شادی والے اس واقع پر مکمل طور پر خاموشی اختیار کرتا ہے اور اپنے دل میں چھپی بات کا اظہار صرف روشن سے کرتا ہے۔بقول مصنف:

"شادی کے اگلے روز اُس کی دلہن نے اپنے زیور اتارتے ہوئے بھڑکیلے لباس سمیٹے اور اپنے گھر واپس چلی گئی کہ یہ بندہ رات بھر مجھ سے عجیب سی باتیں کرتا رہا ہے۔اُس نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا۔۔۔مرد نہیں ہے۔انعام چپ رہا۔۔۔سوائے روشن کے کسی کو نہ بتا سکا کہ وہ پہلی رات اپنی مردانگی ثابت کرنے کی خاطر ایک سراسر اجنبی خاتون پر ایک جانور کی مانند حاوی نہیں ہو سکتا تھا۔۔۔اُس کی خواہش تھی کہ وہ چند روز تک ایک دوسرے کو جان لیں اور پھر اُن کے درمیان وہ رشتہ استوار ہو۔۔۔"(۱۸)

انعام اللہ کی ملاقات شباہت سے ہوتی ہے جو اُسے زندگی کے نئے رنگ سے آگاہ کرتی ہے۔شباہت انعام اللہ کے ساتھ جب اپنا رشتہ استوار کرتی ہے تو انعام اللہ اپنی زندگی کے اس موڑ پر کھڑا ہوتا ہے جہاں وہ مکمل طور پر مایوس ہو چکا ہے۔

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

انعام اللہ وہ پہلا شخص تھا جس کو دیکھ کر شباہت کو پہلی بار ۲۹ سال کی عمر میں مردانہ کشش خود میں محسوس ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں ایک دوسرے کی ادھوری زندگی کو پُر کرنے کے لیے باہمی رشتے کو فروغ دیتے ہیں۔ انعام اللہ کو حلیمہ مایوس کن دنوں کے بعد ایک ایک روشن صبح کی نوید سناتے ہیں۔ شباہت انعام اللہ کو قلم کے ذریعے سے تبدیلی لانے کا کہتی ہے جب وہ مکمل مایوسی کا اظہار کر چکا ہے۔ شباہت انعام اللہ سے کہتی ہے کہ انتقام کا بہترین ہتھیار لفظ ہیں تو وہ کہتا ہے:

"یہ بھی محض خام خیالیاں ہیں شباہت کہ ادب ظلم کا راستہ روک سکتا ہے۔۔۔ لکھے گئے حرف میں انصاف کے کرشمے پھوٹ سکتے ہیں۔۔۔ نہیں ادب بھی خود کو بری الذمہ قرار دینے کا ایک انٹلیکچوئل ماسٹر پیس ہے۔۔۔ جس سے فارغ ہو کر آپ ٹھنڈے ہو جاتے ہیں کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔"(۱۹)

ناول کا اختتام بھی شباہت اور انعام اللہ کی کہانی پر ہوتا ہے۔ جب دونوں اپنی شناخت کو لے کر زندگی کا اک نیا سفر شروع کرتے ہیں اس عزم کے ساتھ اس دنیا کو ایک نئے آدم سے روشناس کروائے گئے۔

شباہت کا کردار ناول میں مرکزی کردار کی حیثیت سے ایک ہیروئن کا کردار ہے۔ سانی نسل سے تعلق رکھنے والا سروسانی کے بیٹے موتی کی بیٹی اس کی ماں کا نام مقدس بانو ہے۔ شباہت کینیڈا میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کی ماں پیدائش کے فوراً بعد اس کے باپ موتی سے علیحدگی اختیار کر لیتی ہے۔ شباہت کی تربیت بھی موتی کے ہاتھوں نہیں ہوتی۔ شباہت کی بنگالی ماں مقدس بانو اس کی تعلیم و تربیت کرتی ہے اور اُسے مکمل طور پر منفرد ماحول مہیا کرتی ہے۔ لیکن شباہت کے والد موتی کی آبائی جبلت جو اُس نے اپنے باپ سروسانی سے وراثت میں ملتی ہے وہ شباہت میں مکمل طور پر دکھائی جاتی ہے۔ وہ کینیڈا میں تعلیم و تربیت حاصل کرتی ہے اس کے باوجود وہ اپنی اصلیت جس میں مردار کھانا پایا جاتا ہے۔ اُس سے انحراف نہیں کرتی شباہت کو معلوم ہوتا ہے اُس کا باپ موتی ایک ایسے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے جو مردار کھانے کا اس قدر عادی ہے کہ اس میدان میں وہ گدھوں کو بھی مات دے دیتے ہیں۔ بخت جہان جونئیر جب شباہت سے بار بار شادی کرنے کا مطالبہ کرتا ہے تو شباہت اس کو یہ بات کہہ کر انکار کرتی ہے وہ ایک سانسی کی بیٹی ہے۔ اُسے اس بات کا ذرہ بھی دکھ نہیں اُس کا تعلق سانی خاندان سے ہے۔ بقول مصنف:

"تو بخت جہان۔۔۔ میں ایک سانسی کی بیٹی ہوں۔۔۔ نیولے، بلے اور مردار کھانے والے لوگوں کی نسل میں سے۔۔۔ تم پھر بھی مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"(۲۰)

شباہت کو معلوم ہوتا ہے بخت جہان تم اکبر جہان کے بیٹے اور چودھری بخت جہان کے پوتے ہو۔ وہ بخت جہان جو گاؤں میں کیکر کی شراب لینے کے لیے میرے دادے کے پاس تو چلا جاتا تھا پر اُس سے سے کسی طرح کا میل جول رکھنا مناسب نہیں رکھتا۔ بخت جہان میرے اندر سانسی رنگ پایا جاتا ہے جو مجھے اپنے آبائی جبلت کی طرف کھینچتا ہے۔ میں چاہے کینیڈا میں رہوں، امریکہ یا کسی بھی آئس لینڈ میں یہ جینز نسل در نسل ہماری طرف سفر کرتا رہے گا۔

پاکستان آکر شباہت کا اپنے دادا کے ساتھ بہت زیادہ لگاؤ ہو جاتا ہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارتے ہیں۔ شباہت نے اپنے دل میں اپنے دادا سروسانی کے لیے غیر متوقع محبت کے اس جذبے کو بڑی شدت سے خود میں محسوس کیا۔ شباہت کے دل میں اپنے دادا سانسی کے لیے یہ محبت اُن دونوں کے درمیان آبائی جبلت مردار کھانے کی بدولت تھی وہ ابتدائی ملاقات سے ہی ایک دوسرے کے ہو کر رہ گئے تھے۔ سانی شباہت کو اپنی زندگی کے واقعات سے آگاہ کرتا ہے شباہت کو بتاتا ہے وہ دن جب پہلی دفعہ چودھری امیر بخش نے اُسے اپنے ساتھ دستر خوان پر بیٹھا کر کھانا کھلایا اور ایک انسان کے روپ میں مجھے عزت بخشی۔

سانسی اُس سے جب پوچھتا ہے پتر شابی ایک تم نے کبھی شراب پی ہے جس پر شباہت اپنے دادا کو جواب دیتی ہے کہ اکثر اوقات تو نہیں کبھی کبھار دوستوں کے ساتھ چکھ لیتی ہوں۔ سانی کی اندر تجسس پیدا ہوا ہے وہ شباہت سے پوچھتا ہے کہ کون سی شراب تم لوگ وہاں پیا کرتے تھے۔ ہمارے زمانے میں تو کیکر کی شراب سب سے زیادہ مقبول ہوا کرتی تھی۔ تیرا دادا کیکر کا رس نچوڑ کر اُس سے عمدہ قسم کی شراب بنایا کرتا تھا۔ شباہت دادا کو بتاتی ہے وہ رم کو کاکولا کے ساتھ ملا کر دو تین گلاسیاں پی لیتی تھی۔ وہ اُس سے ہر طرح کی باتیں کرنا چاہتا ہے۔ شباہت اپنے دادا کو بتاتی ہے:

"اگر کھانے میں گوشت ہو تو سرخ وائن اور اگر مچھلی ہو تو سفید وائن لیکن چند گھونٹ۔۔۔ اور کبھی سال میں ایک آدھ بار اپنی دوستوں کے ساتھ کچھ ہلا گلا کرنا ہو تو کوکا کولا کے ساتھ رم کی دو تین گلاسیاں۔۔۔"(۲۱)

نفسیاتی حوالے سے دیکھا جائے تو شباہت کے اندر مردار کھانے کی خصلت اُس کے خاندانی جینز کی وجہ سے ہے۔ وہ جب کینیڈا میں قیام پذیر ہوتی ہے تو وہاں چیزوں کو خریدتے وقت سونگھتی ہے اُس کی چال اور جسم کی ساری بناوٹ ایک مکمل سانسن کی طرح تھی وہ کبھی بھی اپنی اصل سے دور نہ ہوئی۔ زمینی فاصلے بھی شباہت کی خصلت پر حاوی نہ ہو سکے۔

ناول میں آگے چل کر شباہت کا کردار اس ناول کے مرکزی کردار انعام اللہ سے ملتا ہے اور ان دونوں کے درمیان زندگی کا ایک نیا سفر شروع ہوتا ہے۔ شباہت جب انعام اللہ کو پہلی دفعہ ملتی ہے تو اُسے مردوں میں کشش محسوس ہوتی ہے۔ معاشرے کے فرق اور اعلیٰ تعلیم و تربیت نے بھی اس پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔ شباہت میں سانسی عورتوں کی تمام خصلتیں موجود تھیں۔ جب وہ انعام اللہ سے ملتی ہے تو انعام اللہ ایک گزرلی ریچھ لگتا ہے وہ جیسے خریدتے وقت تمام چیزوں کو سونگھتی تھی اسی طرح انعام اللہ کو بھی سونگھتی ہے۔ انعام اللہ سے ملتے ہی اُسے ایک خاص قسم کی جنسی کشش محسوس ہوئی اور اُس کی تکون میں بھڑکتا ہوا الاؤ پل بھر میں راکھ ہو جانے کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ اُسے یوں محسوس ہوا کہ وہ دھوپ سے بھرے میدان میں ہے اور انعام اللہ ایک مردہ بیل ہے۔

"دھوپ میں اکڑتے اُس بیل کے سر پر آن پہنچی تو وہ اُس پر ٹوٹ پڑی۔ دیوانگی میں اُسے نوچنے لگی۔ بھنبھوڑنے لگی۔۔۔
اُس کے بدن میں دانت اتارتی۔۔۔ اُس کے لہو کی لذت سے مدہوش ہونے لگی۔۔۔ بے سدھ ہونے لگی۔۔۔" (۲۲)

انعام اللہ بھی شباہت میں اپنی دلچسپی کو ظاہر کرتا ہے وہ ایک دوسرے کو سہارا دینے کے لیے قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ ناول میں ان کی ملاقات دونوں کے درمیان اپنی اپنی زندگی میں ایک نیا رنگ پیدا کرنے اور زندگی کے اس سفر میں آگے بڑھنے کی طاقت عطا کرتے ہیں۔ شباہت کی زندگی میں اس سے پہلے بہت سے انسان آ چکے تھے جس میں بخت جہان جو اکبر جہان کا بیٹا ہے وہ بہت کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح اُس کا شباہت سے نکاح ہو جائے۔ اس کے باوجود شباہت اس سے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیتی ہے۔ انعام اللہ جولیا، گستاف اور اپنے امریکن دوست سے زندگی کا سفر طے کرتا ہوا آخر میں شباہت پر آ رکتا ہے۔ شباہت انعام اللہ کو اس بات پر قائل کرتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو رُکنے نہ دے۔ جس طرح تم پہلے قلم کے ذریعے اپنی پہچان بنائے ہوئے تھے۔ اسی طرح تم لفظ کو ہمیشہ اپنی طاقت سمجھ کر استعمال کرتے رہو۔ انعام اللہ شباہت کی موجودگی سے بے حد خوش ہوتا ہے اور یہ دونوں مل کر آگے بڑھانے کا ارادہ کرتے ہیں۔ ناول میں تارڑ نے انعام اللہ اور شباہت کے ذریعے آدم کی نئی تخلیق کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے زندگی کو رکنے نہیں دینا چاہیے آپ اس کی سمت کو تعین کرتے رہے اور اس میں ہر اُس بات اور کام کو شامل کریں جو آپ کو مقصدِ حیات سے روشناس کروائے۔ شباہت کا کردار کینیڈا سے شروع ہو کر پاکستان آتا ہے اور اس کے بعد دنیاپور کے محلہ مغربی سے ہوتا ہوا انعام اللہ سے جا ملتا ہے جہاں ایک نئے آدم کی تلاش کا سفر جاری ہوتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مقبول بیگ بدخشانی، مرزا، اردو لغت، لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۳ء، ص: ۲۴۸

۲۔ خویشگی، محمد عبداللہ خان، فرہنگِ عامرہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۲۰۰۷ء، ص: ۶۲۰

۳۔ تارڑ، مستنصر حسین، خس و خاشاک زمانے، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2010ء، ص: 43

۴۔ ایضاً، ص: 11

۵۔ خالد سہیل، ڈاکٹر، انفرادی اور معاشرتی نفسیات، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 1991ء، ص: 129

۶۔ تارڑ، مستنصر حسین، خس و خاشاک زمانے، ص: 64

۷۔ ایضاً، ص: 152

۸۔ ایضاً، ص: ۱۴۰

۹۔ ایضاً، ص: ۲۰۵

۱۰۔ رخشندہ ناز، کاروانِ نفسیات، لاہور: مکتبہ کارواں، ۲۰۰۴ء، ص: ۹۲

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615
Vol. 6 No.4 2023

۱۱۔ تارڑ، مستنصر حسین، خس وخاشاک زمانے، ص:154

۱۲۔ ایضاً، ص:417۔418

۱۳۔ ایضاً، ص:603

14. Advanced Practical dictionary (English to English to Urdu) with brief gereral knowledge, Azhar publisher, Lahore, 1988, P:852

۱۵۔ محمد عاصم بٹ، عبداللہ کی شخصیت اور فن، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، 2008ء، ص:58

۱۶۔ تارڑ، مستنصر حسین، خس وخاشاک زمانے، ص:576

۱۷۔ ایضاً، ص:327

۱۸۔ ایضاً، ص:414

۱۹۔ ایضاً، ص:416

۲۰۔ ایضاً، ص:549

۲۱۔ ایضاً، ص:567

۲۲۔ ایضاً، ص:6۸۰